© rasailojaraid.com



حکیم محمود احمد ظفر

تاریخ

# ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار ۔ قسط ۹

سر سید نے جس انداز سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تھی وہ تفسیر کم اور تحریف زیادہ تھی۔ اور انجیل کی تفسیر لکھنا بھی شروع کیا تھی جو کہ اسلام اور عیسائیت کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک نمایاں ناپاک کوشش تھی۔ علی گڑھ تحریک کے بارے میں مسلمان علماء کا یہ خیال ہے کہ وہ عیسائیت اور استعمار کی خدمت کا ایک طریقہ کار تھی۔ اور علی گڑھ کالج نے وہ نسل پیدا کی جنھوں نے ہندوستان میں انگریزوں کو حکومت کرنے میں اعانت کی۔ اس کالج نے نوجوان نسل کو مفید علوم عصری تو نہیں دیئے البتہ ادب و فن کا علم عطا کیا ہے۔ اس تحریک نے ہماری دنیا کی بہتری سے زیادہ ہمارے دین کو برباد کیا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں "اینگلو محمڈن" اور "اینگلو انڈین" نسل پیدا ہوئی جس کی نفسیات ترکیب میں "محمڈن" عناصر کم اور "انگریزی" عناصر زیادہ تھے۔

جب ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ ان عیسائی اداروں کا مقصد ایک ایسی نسل کا تیار کرنا ہے جس کا نہ اپنے دین پر ایمان ہو اور نہ اپنی تاریخ سے آشنائی۔ اس کے قلوب عقائدِ اسلام کے بارے میں شبہات اور طعن و تشنیع سے بھرے ہوئے ہوں اور ان کی دعوت مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانے کی ہو۔ اس سے ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ سر سید احمد خان نے یہ تعلیمی ادارے قائم کر کے قوم و ملت کی کیا خدمت سرانجام دی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان سب اداروں کے قیام سے سر سید احمد خان کا مقصد ہندوستان میں عیسائی استعماری تعلیمی سیاست کو فروغ دینا تھا۔ چنانچہ ان تعلیمی اداروں کے اثرات عیسائی تعلیمی اداروں سے بھی زیادہ بڑے پڑے۔

شاتلیہ نے مشورہ دیا تھا کہ ملک کے باشندے اگر عیسیٰ اداروں سے گریز کریں تو حکومت کو ایسے سیکولر (SECULAR) ادارے قائم کرنا چاہیئیں جن کو چلانے والے ملک کے ایسے باشندے ہوں۔ جن کی تربیت مغربی انداز سے ہوئی ہو۔ سر سید کی تحریک کو عیسائی مشنریاں کس نقطۂ نظر سے دیکھتی تھیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں قاہرہ (مصر) میں منعقد ہونے والی مشنری کانفرنس میں اس تحریک پر بحث کی گئی۔ شاتلیہ کے الفاظ یہ ہیں:

"۔۔۔۔۔۔ اس کانفرنس میں اس تحریک کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا جو ہندوستان میں داخل ہو چکی تھی اور سر سید احمد خان اس کے قائد تھے۔ علی گڑھ میں سر سید کے کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شکل میں جو کوششیں ہو رہی تھیں وہ بھی کانفرنس کے پیشِ نظر تھیں۔ پادری ویسٹیر گنٹ نے "جدید اسلام" کے عنوان پر تقریر کی اور اس میں بتایا کہ یورپ کی تعلیمات مسلمانوں کو عیسائیت سے قریب لا رہی ہیں۔ قاہرہ کی اس عیسائی کانفرنس نے سر سید احمد خان کی اس تحریک میں اپنے مفہوم کے مطابق ایک اصلاحی تحریک قرار دیا اور بتایا کہ قائدِ تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کی کامیابی کے لئے بہت زیادہ کوشش کر رہے ہیں''۔

(الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۵۰)

شیخ ابراہیم خلیل احمد نے ایک موقع پر کہا ہے کہ ''سر سید احمد خان استعماری قوتوں کے شاگرد ہیں اور وہ انگریزوں کی مصلحتوں کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ گویا اسلام کے تحفظ سے انہیں کوئی واسطہ نہیں''۔

(ابراہیم خلیل احمد: الاستشراق والتبشیر وصلتھما بالامبریالیہ العالمیۃ ص ۷۵)

اپنی تاریخ اور تہذیبی اقدار سے دوری، اسلامی عقائد کا استحقاق، ہر شے میں مغرب کی تقلید اور آزادیٔ نسواں جیسے مشنری مقاصد اگر کسی کی نظر میں ہوں تو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک سے انگریزوں کے سامراجی اور مشنری مقاصد کو بروئے کار لانے میں اس سے کیا مدد مل سکتی تھی۔

ان دو آدمیوں کے علاوہ ایک اور شخص تھے جن کا انتخاب انگریزوں نے صرف اس لئے کیا کہ وہ علماء ربانی جن سے انگریزوں کو اپنی حکومت کی مضبوطی (STABLITY) میں خطرہ تھا اور جن لوگوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا تھا یا جہاد کرنے والوں کی مدد کی تھی ان پر کفر کے فتوے لگائیں اور وہابی یا اس قسم کے غلط خطابات دے کر ان کے وقار کو عوام میں مجروح کریں تاکہ دین کے بارے میں عوام ان کی بات پر کان نہ دھریں۔ یہ ذات مستودہ صفات مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے اہلِ السنت والجماعت کو جن کی سرزمین پاک و ہند میں اکثریت تھی دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ اہلِ سنت کے دو طبقوں میں کچھ رسمی اختلافات اٹھے۔ ان حضرت نے ان اختلافات کو اتنا بڑھایا کہ کفر و اسلام تک کے فاصلے قائم ہو گئے۔ مسائل میں اختلاف کوئی نئی بات نہیں۔ اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہوتا ہی ہے۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں میں بھی بعض مسائل میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایسے اختلاف فقہاء و محدثین میں بھی تھے لیکن اسلاف نے ان اختلافات کو کبھی علیحدگی کا نشان نہیں بنایا تھا۔ اختلاف میں نظر دلیل پر رہتی ہے لیکن تفریق میں نفرت اور علیحدگی پر۔ اختلاف میں مخاطب علماء کرام ہوتے ہیں۔ دلائل پیش ہوتے ہیں، بحثیں ہوتی ہیں لیکن تفریق میں مخاطب عوام ہوتے ہیں ان سے دلائل کی بجائے جذبات سے بات ہوتی ہے۔ الزام تراشی ہوتی ہے اور نفرتیں بڑھتی ہیں۔

اس تفریق کی بنیاد مولانا احمد رضا خان نے ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دو ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ اور ایسے بٹے کہ کہیں ایک ہوتے نظر نہیں آتے۔ مسلمان دو ٹکڑے کیسے ہوئے؟ وہ علماء کرام جو تحریک آزادیٔ وطن میں انگریزوں کے خلاف نبرد آزما تھے اور امت مسلمہ کی بہتری اور ان غیر ملکی درندوں سے مادر وطن کو آزاد کرانے کے لئے اپنی راتوں کی نیندیں اور دن کا آرام غارت کئے ہوئے تھے مولانا احمد رضا خان صاحب نے ان کے خلاف کچھ الزامات تصنیف کئے۔ یہ اختلافات نہ تھے بلکہ الزامات تھے۔ کیونکہ اختلافات میں سمجھنا سمجھانا ہو سکتا ہے لیکن الزامات میں صرف علیحدگی مقصود ہوتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان اختلافات کی راہ سے محاذ تکفیر پر نہ آسکتے تھے۔ لہٰذا اختلافات کی بجائے الزامات کی راہ کو اختیار کیا گیا۔

مولانا احمد رضا خان صاحب الزامات کی راہ سے تکفیر کی منزل پر پہنچے۔ اور پھر جو تکفیر کی ایسی توپ داغی کہ کوئی عالم بھی ان کی تکفیر سے نہ بچ سکا۔ ان کی نگاہ میں تمام علمائے دیوبند کافر، ہر وہ عالم کافر جسنے انگریزوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خلاف جہاد کیا۔ لوگ انہیں "تکفیر المسلمین" (مسلمان کو کافر بنانے والا) کا خطاب دینے لگے۔ چنانچہ ان کے اپنے مکتبِ فکر کے ایک مجلہ نے ان کے بارہ میں لکھا کہ:

"آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرنے سے جھجکتا ہے۔ عام طور پر امام احمد رضا خان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ "تکفیر المسلمین" تھے۔ بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی۔ آج ایشیا میں جتنے بھی سائنسی ادارے ہیں وہاں امام احمد رضا پر کام تو در کنار نام بھی نہ ملے گا۔

(ماہنامہ المیزان بمبئی، احمد رضا نمبر ۲۹)

ان "تکفیر المسلمین" کی فتاویٰ کی زبان ملاحظہ فرمائیں۔ ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

"وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی جملہ مرتدین کہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو کافر اصلی یا مرتد، انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولد الزناء"

(ملفوظات حصہ دوم ص ۱۰۰)

مولانا احمد رضا خان کفر کے اس قسم کے فتوے دینے میں اکیلے نہ تھے بلکہ تفریق کی جو خلیج انہوں نے پیدا کی تھی اس میں انہوں نے اپنے بہت سے ساتھی پیدا کر لئے جنہوں نے مولانا محمد علیؒ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، چودھری افضل حق اور دیگر اکابر امت پر کفر کے فتوے جڑ دیئے۔ اور ان لوگوں کی نگاہ میں سوائے ان کے اپنے چند ایک عالمانِ دین کے پاک و ہند کے سارے عالم کافر تھے۔ کیونکہ انہوں نے انگریزوں کی ایک ایسی عینک لگائی ہوئی تھی کہ انہیں سوائے کفر کے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ لیجئے کہ "تکفیر کی تلوار لے کر ہر کسی کو قابل گردن زنی قرار دینے والے فرد کا نام سرزمین پاک و ہند میں مولانا احمد رضا خان ہے۔ اسی وجہ سے ان "مکفر المسلمین" کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان ایک مرتبہ ۱۹۳۰ء میں پنجاب آئے تو روزنامہ زمیندار میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحبؒ نے ان کا ان الفاظ میں استقبال کیا:

اوڑھ کر حامد رضا خان آئے بدعت کا لحاف ۔۔۔ ذات ان کی ہے مجدد بات اُن کی لام کاف
مانچسٹر کے کفن سازوں سے لایا ہے، اُدھار ۔۔۔ شرک کی انٹی بریلی کا یہ بڈھا نور
پیکر طاغوت ہے یا ہے رضائے مصطفیٰ ۔۔۔ باپ تھا اس لاش کا سرا اور بیٹا اس کی ناف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانانِ ہند ۔۔۔ ہے وہ کافر جس کو ہو اُن سے ذرا بھی اختلاف
جب سے پھوٹی ہے بریلی میں کرن تکفیر کی ۔۔۔ دید کے قابل ہے ان کا انعکاس و انعطاف
زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت ۔۔۔ کر رہا ہے جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ قادیانی اور رضاخانی دونوں تحریکوں کا سرچشمہ ایک تھا اور دونوں کے پیچھے انگریز بہادر کارفرما تھے۔ دونوں کی بنیاد ان دو اصولوں پر تھی۔

۱۔ سرزمینِ پاک و ہند میں انگریزی سامراجیت کو استحکام بہم پہنچانا۔ آزادی کی تمام تحریکات کی مخالفت کرنا اور مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد سے منع کرنا۔

۲۔ مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنا تاکہ یہ اپنے سوا دوسروں کو بھی کافر سمجھیں اور مسلمانوں میں ایسی علیحدگی کے فاصلے پیدا کرنا جو پھر کبھی مٹ نہ سکیں۔ اور ملت اسلامیہ مستقل طور پر گروہوں میں بٹ جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی کے والد ماجد سید عبدالحیی مولانا احمد رضا خان بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دشمنی اور خصومت میں بہت ہی زیادہ سخت تھے۔ اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے۔ ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑجاتے تھے"۔

(نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص)

قادیانی اور رضاخانی نظریات مندرجہ ذیل عنوانات پر آپس میں مشترک تھے۔

۱۔ انگریزوں سے خاندانی وفاداری۔
۲۔ انگریزوں کی تعریف
۳۔ جہاد کی ممانعت
۴۔ ترک موالات کی مخالفت
۵۔ ماموریت کا دعویٰ
۶۔ مسلمانوں کی عام تکفیر
۷۔ تحریک خلافت کی مخالفت
۸۔ انگریزی حکومت سے امیدیں
۹۔ قرآن حکیم میں تحریف لفظی کی کوشش
۱۰۔ حرمین شریفین اور دیگر صحیح عقائد رکھنے والے ائمہ کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینا۔

غرض کہ یہ وہ لوگ تھے اور یہ وہ تحریکات تھیں جو انگریزی حکومت کے استحکام میں اسکی معاون بنیں اور انہوں نے جہاں ایک طرف مسلمانوں میں تشتت و افتراق کی تخم ریزی کی وہاں دوسری طرف انگریزوں کی جائز و ناجائز حمایت کر کے ان کا حق نمک ادا کیا۔ ان تحریکوں کے بانیوں کے رویوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود کچھ نہیں کررہے بلکہ انکے پیچھے انگریزوں کا غیبی ہاتھ ہے جو ان سے کچھ کروارہا ہے۔ اور وہی کچھ کروارہا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

ان معاون تحریکات سے ہندوستان میں انگریزی سامراجیت اور مشنریوں کو جو تقویت ملی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ سامراجی اور مشنری جدوجہد سے ہندوستان میں بہت سی غیر مسلم تحریکوں نے بھی جنم لیا جن کی خطرناکی علی گڑھ تحریک، قادیانیت اور رضاخانیت سے کہیں زیادہ تھی۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں بمبئی میں سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ اس تحریک نے غیر ملکیوں کے خلاف علم عداوت و بغاوت بلند کیا غیر ملکیوں سے ان کی مراد انگریز اور مسلمان تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنے اصل دین (ہندومت) کی طرف واپس آجائیں۔ جس طرح حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے عیسائی پادریوں سے زبردست مناظرے کئے۔ اسی طرح حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے آریوں سے زبردست مناظرے کر کے دین وملت کی بہت بڑی خدمت انجام دی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان غیر مسلم تحریکوں میں سب سے زیادہ خطرناک مہاسبھائی تحریک تھی جو ۱۹۲۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے لیڈر بابا ہردیال نے ایک بار کہا تھا "ہندو رگ و خون کا مستقبل چار چیزوں کا مورہوگا۔ اسلام کا مقابلہ، ہندو ریاست کا قیام، مسلمانوں کو ہندو بنانے کی مہم اور افغانستان پر قبضہ تاکہ وہاں کے باشندے بھی ہندومت میں داخل کئے جا سکیں" اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کے رہنے کی یہ شرط بتائی تھی کہ اپنے عربی اور اسلامی نام بدل دیں۔ ہندوؤں کا سا لباس پہنیں۔ ہندوؤں کی شخصیتوں کا احترام کریں۔ ان کے تہواروں میں شریک ہوں۔ ان کے رسم و رواج اور قومی روایات کو قبول کرلیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کی بجائے "ہندو مسلمان" یا "ہندو محمڈن" کہیں۔ بعض دینی شعائر کی ادائیگی کیلئے پہلے سے اجازت حاصل کرلیں۔

ان دو ہندو تحریکوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تعصب اور بغض و عداوت کی ایسی وسیع خلیج پیدا کر دی جس کو تاریخ کبھی بھی نہیں بھلا سکتی۔ اور جس کے عفریت نے ہزاروں مسلمانوں کو نگل لیا۔ اور اب تک نگل رہا ہے۔ (احسان حقی! تاریخ شبہ الجزیرۃ الہندیہ الباکستانیہ ص ۴۷۳-۳۷۶)

ماضی قریب اور حال میں جن خطرناک اسلام دشمن ہندو تحریکوں نے جنم لیا ہے وہ قارئین کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوں گی۔ ان کی ہندو جارحانہ احیائیت اور اسلام دشمنی کے واقعات آئے دن ہمارے سامنے آرہے ہیں۔

یہ تھی اس پر آشوب دور کی ایک دھندلی سی تصویر، جس دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو پیدا فرمایا۔ اس پر آشوب دور کے سیاق و سباق میں اگر مولانا کیرانوی مرحوم کے مجاہدانہ، مناظرانہ دعوتی اور اصلاحی کارناموں کو رکھ کر دیکھا جائے تو پھر انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انگریزوں کے استعمار کی سیاہ آندھی اور مختلف فتنوں کے سیاہ بادل ہندوستان کے افق پر محیط تھے تو اس وقت میں حضرت مولانا مرحوم کا وجود واقعی اللہ کی رحمت سے کم نہ تھا۔ حضرت مولانا کے مجاہدانہ، مناظرانہ اور تجدیدی کارناموں کا اعتراف نہ صرف اس دور کے علماء اور معاصرین نے ہی نہیں بلکہ خود خلافت عثمانیہ اور اس میں بسنے والے سب علماء نے بھی کیا۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین نے آپ کو ترکی آنے کی دعوت دی۔ اور خلعت فاخرہ سے آپ کو نوازا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

## عیسائی مبلغین کا طریقہ تبلیغ

اس دور میں عیسائی مبلغین نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے تھے۔ ان میں ایک طریقہ نشرواشاعت کا تھا۔ یعنی انہوں نے اس وقت کی مروجہ زبانوں، عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں بڑے پیمانے پر حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں مسیحی عقائد پر مشتمل کتابیں اور رسائل شائع کئے۔ اسی کے ساتھ اسلامی عقائد و ارکان، اسلامی تاریخ و تہذیب، قرآن حکیم اور وحی و رسالت کے بارہ میں مختلف شکوک و شبہات اور اعتراضات اٹھائے گئے۔ تورات کے لاکھوں نسخے چاروں زبانوں میں کتابی شکل میں شائع کر کے ڈاک کے ذریعہ عوام و خواص میں اور پادریوں کے ذریعہ بازاروں اور میلوں ٹھیلوں میں تقسیم کئے گئے۔ جنرل مارٹن (MARTIN) نے سب سے پہلے تورات کا ترجمہ اردو اور فارسی میں کیا تھا۔ ۱۸۰۲ء میں جو عیسائی انجمن تورات کی نشرواشاعت کیلئے قائم ہوئی تھی اس کے ایک کارکن نے اس کا اعتراف کیا کہ ۱۸۹۹ء تک اس انجمن نے مختلف علاقائی زبانوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تورات کا ترجمہ کر کے ۱۶ کروڑ کی تعداد میں تقسیم کیا تھا۔

عیسائی مشنری نے، معلوم ہوتا تھا کہ اس بات کا تہیہ کیا ہوا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائی بنا کر ہی دم لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دھڑا دھڑ عیسائیت کے حق میں اور اسلام کے خلاف کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔ عیسائی مبلغین اور مشنریز کے قلم سے جو کتابیں مسیحی عقائد کی تعلیم و تبلیغ اور اسلامی عقائد و شخصیات کے متعلق تشکیک و اعتراض سے متعلق شائع کی گئیں۔ ان میں ٹی۔ جی۔ اسکاٹ کی "تصدیق الکتاب"، پادری یونس کی "ابراھین الالھیہ" اور پادری فنڈر کی "میزان الحق"، "مفتاح الاسرار" "حل الاشکال"، اظہار الدین النصرانی کی "طریق الحیاۃ" نے ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ جن مسلموں اور غیر مسلموں نے مسیحیت کو قبول کیا تھا۔ ان کے قلم سے بھی اسلام کے خلاف متعدد کتابیں شائع ہوئیں انگریزوں نے سر سید کی تفسیر اور تبیان الکلام کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کہ سر سید نے موخرالذکر کتاب میں انجیل میں تحریف سے انکار کیا ہے۔ گویا یہ بھی سر سید نے عیسائیت کی خدمت کی ہے۔ جو دلائل عیسائیوں کو معلوم نہ ہوسکے وہ سر سید نے انہیں مہیا کئے۔

ان کتابوں اور رسائل کے علاوہ انگریزی روزناموں، ہفت روزہ اور ماہناموں سے بھی عیسائیت کی تبلیغ و ترویج اور دینی اور اخلاقی قدروں کے خلاف ذہن تیار کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ کیونکہ دین اسلام کے بارہ میں اگر ایک مسلمان کی گرفت ڈھیلی ہو جائے تو ہر فرقہ اسے دبوچنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ہر باطل فرقہ سے بچنے کا بہترین اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دین کو مضبوطی سے پکڑا جائے۔

عیسائی مشنریز اور مسیحی مبلغین نے بڑے پیمانے پر لائبریریاں اور دارالمطالعے قائم کئے۔ اور ان کے ذریعہ خاموشی سے نوجوانوں کو عیسائی عقائد سے باخبر اور مانوس کیا جاتا۔ قادیانیوں، اہل بدعت، منکرین حدیث، سر سید کے پیروکاروں (متنورین)، ہندو احیاء پرستوں اور مغربی تہذیب و کلچر کے داعیوں کی بھی سرپرستی اور ہمت افزائی کی جاتی۔ کیونکہ انکی راہیں بھی دراصل عیسائیت کے قریب جا کر ملتی ہیں۔

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو ہم دونوں در جاناں پہ مل گئے

انگریزوں نے حکومت چونکہ مسلمانوں سے چھینی تھی۔ لہذا انہیں سب سے زیادہ خوف اور خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی آبادی اگرچہ مسلمانوں سے زیادہ تھی، لیکن ہندوؤں سے انگریزوں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے قریباً قریباً بند تھے۔ اگر کسی سرکاری عہدہ پر مسلمان کو فائز کیا بھی جاتا تو پادری کی سفارش اور تزکیہ کے بعد اسے کوئی عہدہ دیا جاتا۔ حکومت برطانیہ نے یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ اگر کسی عہدہ کیلئے انگریز نہ مل سکیں تو اس جگہ پارسی کو متعین کیا جائے۔ اگر پارسی بھی نہ ملے تو ہندوؤں کو متعین کیا جائے اور اگر ہندو بھی نہ ملیں تب مسلمانوں کو وہ جگہ دی جائے۔

ولیم ہنٹر نے لکھا ہے کہ بنگال کے ہائی کورٹ میں انگریز اور ہندو ججوں کی تعداد اکیس تھی۔ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ مسلمان عہدیداروں کے خلاف غیر مسلموں کو جاسوس مقرر کر دیا جاتا جو ہر لمحہ کی رپورٹ حکومت کو دیتا رہتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مسلمان کے ساتھ یہ سلوک صرف اس وجہ سے تھا کہ مسلمانوں سے انگریزوں کو بہت زیادہ خطرہ تھا لہذا انکو اس طریقہ سے ذلیل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

## پادری فنڈر اور اس کا حدود اربعہ

پادری فنڈر جسکو ڈاکٹر فنڈر (RCV C G PFANDER) بھی کہتے ہیں اور جس نے ہندوستان آکر اور میزان الحق کتاب لکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں کو چیلنج کیا تھا۔ اسکا تعارف کرانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ پتہ چل سکے کہ یہ حضرت کون تھے؟ اور ہندوستان کس غرض کیلئے تشریف لائے؟ اور پھر ہندوستان میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کے ہاتھوں ان کی کیا درگت بنی۔ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے اس پر تنگ ہو گئی۔

پادری فنڈر امریکن نژاد کیتھولک مستشرق تھا۔ دنیا کی طمع کی خاطر اس نے پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کیا تھا جیسا کہ اس کے دوست پادری فریچ نے بیان کیا ہے وہ انگلستان کو اپنا مستقل وطن بنانا چاہتا تھا۔ اسکی بیوی چونکہ پروٹسٹنٹ مسلک کی تھی لہذا اس نے بھی اپنی بیوی کی خوشنودی کی خاطر پرٹسٹنٹ مسلک اختیار کر کے انگلستان میں اپنی مستقل رہائش اختیار کر لی۔ انگلستان میں مستقل رہائش کے تھوڑا ہی عرصہ بعد چرچ آف انگلینڈ نے اسے مسیحی مبلغین کا سربراہ بنا کر ہندوستان بھیج دیا جہاں اس نے اپنی تبلیغی جدوجہد میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی۔ چنانچہ فنڈر کو ان تین خطرناک اور سرگرم مسیحی مبلغین میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے غیر معمولی جدوجہد کے ذریعہ سرزمین پاک و ہند میں مسیحیت کے فروغ کیلئے نمایاں کردار ادا کیا۔

پادری فنڈر شروع میں دس یا بارہ سال تک جرمنی کے ایک عیسائی مبلغ کی حیثیت سے روس کی ریاست جیار جیا (GEORGIA) میں قلعہ شوش (SHUSHY) میں مقیم رہا۔ جہاں سے وہ اکثر ایران کا دورہ کیا کرتا تھا۔ ایک دو بار اس نے بغداد تک کا سفر بھی کیا۔

ایران میں آمد و رفت کے نتیجہ میں اس نے فارسی زبان میں خاصی مہارت پیدا کر لی تھی۔ اس کے علاوہ آرمینیہ کے رہنے والے ایک مسلمان لڑکے کو جسے ڈاکوؤں نے پکڑ کر غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا تھا اس نے عیسائی بنالیا تھا جس سے وہ اپنی فارسی انشاء پردازی میں مدد لیا کرتا تھا۔

۱۸۳۶ء میں روسی حکومت کی غیر ملکیوں کے اخراج کی پالیسی کے زیر اثر اسے روس چھوڑنا پڑا اور ۱۸۳۸ء میں اس نے ہندوستان میں عیسائی مبلغ کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ہندوستان آمد سے قبل جیروم ہندوستان آچکا تھا اور اس نے لاہور کو اپنا مرکز بنا کر توحید، تثلیث، الوہیت مسیح اور کتب مقدسہ کی صحت کے متعلق مسلمان علماء کے ساتھ بحث و نزاع کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اس نے ایک کتاب بھی مسیحی عقائد کی وضاحت و تشریح کیلئے تالیف کی تھی جس کا نام "المراۃ الریبۃ للحق" رکھا گیا اور اس کتاب کے لکھنے کا سبب احمد بن زین العابدین کی کتاب "الانوار الالھیتہ" بنی۔

جیروم کے بعد ہنری مارٹن کی آمد ہوئی جس نے فارسی اور اردو میں انجیل کا ترجمہ کر کے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ایک ملک میں ایک مستحکم بنیاد فراہم کی۔ پھر پادری فنڈر نے اپنی کتاب "میزان الحق" کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔

© rasailojaraid.com